ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

اقبال اور فلسطین

جب حضرت علامہ طرح طرح کے عوارض میں مبتلا تھے اور ان کی زندگی کے صرف ساڑھے چھ مہینے باقی تھے تو انھوں نے قائداعظم کے نام ایک خفیہ اور نجی خط میں لکھا کہ اگر فلسطین کے مسئلے پر ایک ہمہ گیر عوامی تحریک چلائی جائے تو وہ اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیں گے۔ اس پیش کش میں دو مقاصد کارفرما تھے:

اوّل: صیہونیت اور برطانوی سامراج کے خلاف جدوجہد میں فلسطینی عربوں کو مدد دی جائے۔

دوم: اس طرح عوام سے جو ربط پیدا ہو اس کے ذریعے سے مسلم لیگ میں ایک نئی جان ڈالی جائے اور اسے عوامی رنگ دیا جائے۔

انھوں نے ۷ اکتوبر ۱۹۳۷ کو قائداعظم کے نام خط میں لکھا:

"مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لیگ اس مسئلے پر ایک پُرزور قرارداد منظور کرے گی۔ اور ہمارے کی ایک نجی مجلس مشاورت بلا کر کوئی ایسا مثبت قدم اٹھانے کا فیصلہ کرے گی جس میں عوام بڑی تعداد میں شریک ہو سکیں۔ اس سے مسلم لیگ فوراً ہر دلعزیز ہو جائے گی اور اس سے فلسطینی عربوں کو بھی مدد ملے گی۔ ذاتی طور پر مجھے اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا کہ ایک ایسے مسئلے پر جیل چلا جاؤں جو اسلام اور ہندوستان، دونوں کو متاثر کرتا ہے۔ مشرق کے عین دروازے پر ایک مغربی اڈے کا قیام دونوں کے لیے خطرے کا باعث ہے۔"[1]

صیہونیت کے خلاف عربوں کی بیس سالہ جدوجہد کی تاریخ میں یہ ایک نہایت نازک مرحلہ تھا۔ فلسطین میں یہودیوں کا داخلہ تو عرصے سے جاری تھا لیکن جب ۱۹۳۵ء میں جرمنی میں نازی راج اپنے عروج پر تھا اور وہ یہودیوں کا قلع قمع کر رہا تھا تو جرمن یہودیوں کا فلسطین میں داخلہ بہت زیادہ

---

[1] لیٹرز آف اقبال ٹو جناح، ص ۲۶

بڑھ گیا۔ یعنی سالانہ کوٹے سے کہیں زیادہ۔ اس سے عربوں کے اضطراب میں بھی اضافہ ہوا کیونکہ آبادی میں فلسطینیوں کے مقابلے میں یہودیوں کا تناسب بڑھ رہا تھا۔ اپریل ۱۹۳۶ میں اس بے چینی نے ہمہ گیر بغاوت کی صورت اختیار کرلی [illegible] کے مسلح جتھے تھے۔ دوسری طرف شام اور عراق سے رضاکاروں کے جتھے آنے لگے اور برطانوی فوج کے ساتھ ان سب کے کئی معرکے ہوئے اور اس دوران میں فلسطین بھر کے عرب احتجاجی ہڑتال پر رہے۔ اس پر برطانیہ نے لارڈ پیل کی صدارت میں ایک شاہی تحقیقاتی کمیشن قائم کیا۔ اور عرب حکمرانوں کی اپیل پر عربوں نے ہڑتال کھول دی۔ پیل کمیشن نے اپنی رپورٹ جولائی ۱۹۳۷ میں چھاپی۔ کمیشن اس نتیجے پر پہنچا کہ عربوں اور یہودیوں کے موقف اتنے مختلف ہیں کہ کوئی مشترکہ مصالحتی فارمولا بنانا ممکن نہیں۔ اب مسئلے کا حل یہی ہے کہ فلسطین کا بٹوارہ کر دیا جائے۔ چنانچہ کمیشن نے سفارش کی کہ فلسطین کو تین حصوں میں منقسم کیا جائے۔ اول: عرب مملکت، جس میں شرق اردن اور فلسطین کے پہاڑی علاقے شامل ہوں۔ دوم: یہودی مملکت، جس میں ساحلی علاقے اور گلیلی شامل ہوں۔ سوم: یروشلم، بیت اللحم اور انھیں سمندر سے ملانے کے لیے ایک تنگ پٹی۔ جس طرح برطانوی انتداب عراق سے اٹھا کر اسے آزاد کیا گیا اور اس کے ساتھ ایک معاہدہ ہو گیا، اسی طرح عرب اور یہودی مملکتوں سے انتداب اٹھا کر انھیں آزاد کرایا جائے۔ اور ان کے اور برطانیہ کے درمیان معاہدات ہو جائیں۔ رہا یروشلم اور بیت اللحم کا علاقہ۔ تو اس پر برطانوی انتداب قائم رہے۔ حکومتِ برطانیہ نے یہ سفارشات قبول کرلیں۔ یہودی بھی کچھ ترامیم کے بعد منظوری کے حق میں تھے لیکن عربوں نے انھیں کاملاً مسترد کردیا۔

یہاں سے عربوں نے ایک نئی تحریک کا آغاز کیا۔ اس میں ہڑتال، جلسے جلوس اور مظاہرے بھی شامل تھے اور چھاپہ مار جنگ بھی۔ اس پر یکم اکتوبر ۳۷ء کو حکومتِ برطانیہ نے فلسطینی عربوں کی واحد نمائندہ تنظیم مجلس الاعلیٰ العربی الاسلامی کو خلافِ قانون قرار دیا۔ عرب رہنماؤں کو جلاوطن کرکے جزائر سیشل میں نظربند کرلیا۔ ہزاروں کارکنوں کو جیل میں ڈال دیا۔ لیکن عربوں کے سب سے بڑے قائد مفتیِ اعظم امین الحسینی روپوش ہوکر ملک سے باہر چلے گئے۔ یہی وہ تاریخی تناظر ہے جس میں حضرت کے مکتوب بنام قائداعظم کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

اس سے پہلے جولائی ۳۷ء میں حضرت علامہ برطانیہ کی نیشنل لیگ کی صدر مس فارقوہارسن کو پیل کمیشن

کی سفارشات کے بارے میں ایک مفصل خط لکھ چکے تھے جس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"ہمیں اس حقیقت کو ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ فلسطین برطانیہ کی ملکیت نہیں۔ اسے فلسطین پر کنٹرول حاصل ہے تو اس انتداب کی بدولت جو جمعیت اقوام نے اسے سونپا ہے۔ وہی جمعیت اقوام، جسے مسلم ایشیا اب ایک ایسے اینگلو فرانسیسی ادارے کی حیثیت سے جاننے لگا ہے، جس کا مقصد وحید یہ ہے کہ کمزور مسلمان قوموں کے علاقوں کا بٹوارہ کیا جائے۔ پھر یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ فلسطین یہودیوں کا بھی نہیں۔ کیونکہ انھوں نے اس کے عربوں کے قبضے میں آنے سے بہت پہلے اپنی مرضی سے چھوڑ دیا تھا۔ صیہونیت کوئی مذہبی تحریک نہیں اور خود پیل رپورٹ سے یہی واضح ہوتا ہے۔ بلکہ غیر متعصب قاری کو یہ تاثر ملتا ہے کہ تحریک صیہونیت دیدہ دانستہ جاری کی گئی۔ تو اس لیے نہیں کہ یہودیوں کے لیے قومی وطن مہیا کیا جائے بلکہ محض اس لیے کہ بحیرۂ روم کے ساحل پر برطانوی سامراج کے لیے ایک وطن فراہم کیا جائے۔ مجموعی طور پر رپورٹ کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقاماتِ مقدسہ کو جبراً برطانیہ کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے کیونکہ کمیشن نے برطانیہ کے سامراجی منصوبوں کو چھپانے کے لیے یہ سفارش کی ہے کہ یروشلم اور بیت اللحم کے علاقوں پر مستقل انتداب رکھا جائے"[۵۲]

یہ خط ۲۰ جولائی کو لکھا گیا۔ سات دن بعد تقسیم فلسطین کے خلاف صوبہ مسلم لیگ کے زیر اہتمام لاہور میں ایک جلسۂ عام منعقد ہوا۔ علامہ علالت کی وجہ سے خود تو آ نہیں سکتے تھے لیکن انھوں نے ایک بیان لکھ بھیجا، جو جلسے میں پڑھ کر سنایا گیا۔ اس پر پہلے علامہ نے تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے اس رائے کا اظہار کیا کہ فلسطین کا مسئلہ نہ یہودیوں کا مسئلہ ہے نہ عیسائیوں کا۔ یہ ایک خالص اسلامی مسئلہ ہے۔ تقسیم کی تجویز کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے برطانوی سامراج پر نہایت سخت الفاظ میں نکتہ چینی فرمائی اور کہا کہ زرخیز زمینیں یہودیوں کے حوالے کی جا رہی ہیں۔ چٹانیں عربوں کے حصے میں آئی ہیں اور اس کے ساتھ نقدی کی پیش کش کی گئی ہے۔ آپ نے کہا یہ ایک گھٹیا سودا ہے۔ اس میں کوئی سیاسی دانش کارفرما نہیں اور یہ برطانیہ کے ان وعدوں کی بھی نفی کرتا ہے جو اس نے پہلی عالمی جنگ کے دوران میں عربوں سے کیے تھے۔ بیان کے تیسرے حصے میں علامہ نے تین نکات پیش کیے:

---

۵۲ سپیچز اینڈ سٹیٹمنٹس آف اقبال (طارق)، ص ۲۱۹ - ۲۱۸

اول : مشرقِ وسطیٰ کی نجات اسی میں ہے کہ عربوں اور ترکوں کے درمیان ایک بار پھر اتحاد ہو جائے۔ عربوں کا فرض ہے کہ وہ ترکوں کو نہ چھوڑیں۔

دوم : فلسطینی عرب یاد رکھیں کہ وہ ان عرب حکمرانوں پر تکیہ نہیں کر سکتے جو قطعی طور پر اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ فلسطین پر ایک آزاد ضمیر کے ساتھ ایک آزاد فیصلہ دے سکیں۔ عرب عوام کو اپنی تقدیر کا فیصلہ خود کرنا ہوگا۔

سوم : تنسیخِ خلافت کے بعد آج دنیائے اسلام کو پہلی بار مذہبی اور سیاسی نوعیت کے ایک سنگین بین الاقوامی مسئلے سے سابقہ پڑا ہے۔ ایشیا کے غیر عرب آزاد اسلامی ملکوں کے سیاستدانوں کا فرض ہے کہ جمعیتِ اقوام کی رکنیت پر از سرِ نو غور کریں اور ایک مجلسِ اقوامِ شرق کی تشکیل کے لیے عملی ذرائع بروئے کار لائیں۔[۵۳]

اگر ضربِ کلیم کا مطالعہ کیجیے تو انہی خیالات کا عکس علامہ کے کلام میں بھی ملتا ہے۔ مثلاً :

شام و فلسطین

رندانِ فرانسیس کا میخانہ سلامت
پُر ہے مئے گلرنگ سے ہر شیشۂ حلب کا
ہے خاکِ فلسطین پہ یہودی کا اگر حق
ہسپانیہ پر حق نہیں کیوں اہلِ عرب کا؟
مقصد ہے ملوکیتِ انگلیس کا کچھ اور
قصہ نہیں تاریخ کا یا شہد و رطب کا[۵۴]

فلسطینی عرب سے

زمانہ اب بھی نہیں جس کے سوز سے فارغ
میں جانتا ہوں وہ آتش ترے وجود میں ہے

---

۵۳ سپیچز اینڈ سٹیٹمنٹس آف اقبال (طارق) - ص ۲۲۰ - ۲۲۲

۵۴ ضربِ کلیم، ص ۱۵۹

تری دوا نہ جنیوا میں ہے نہ لندن میں
فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے
سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش و لذتِ نمود میں ہے![۵۵]

عربوں کے بارے میں

ترکانِ جفا پیشہ" کے پنجے سے نکل کر
بے چارے ہیں تہذیب کے پھندے میں گرفتار[۵۶]

جمعیتِ اقوامِ شرق

پانی بھی مسخر ہے ہوا بھی ہے مسخر
کیا ہو جو نگاہِ فلکِ پیر بدل جائے
دیکھا ہے ملوکیتِ افرنگ نے جو خواب
ممکن ہے کہ اس خواب کی تعبیر بدل جائے
تہراں ہو اگر عالمِ مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے[۵۷]

فلسطین کے مسئلے پر علامہ کے اضطراب کا کیا عالم تھا اس کا کچھ اندازہ اس مکتوب سے بھی ہوتا ہے جو انھوں نے مس فارقوہارسن کے نام ۶ ستمبر ۳۷ء کو لکھا۔ اس میں آپ نے فرمایا کہ اس مسئلے پر اُن کا رابطہ مصر، شام اور عراق سے قائم ہے۔ شیعانِ نجف نے احتجاج کیا ہے۔ وزیرِ اعظم ایران اور صدر جمہوریہ ترکیہ نے بھی تقسیم کے منصوبے کی مذمت کی ہے۔ برِ عظیم میں بھی احساسات شدید ہو رہے ہیں۔ دہلی میں پچاس ہزار مسلمانوں کا اجتماع ہوا۔ کانپور میں اس مسئلے پر کچھ مسلمانوں کی گرفتاریاں بھی ہوئیں[۵۸] علامہ کا اضطراب جاری رہا اور ۷ اکتوبر ۳۷ء کو یہ اضطراب ایسے نقطۂ عروج پر پہنچ گیا

---

۵۵ ضربِ کلیم، ص ۱۶۲
۵۶ ایضاً، ص ۱۵۵
۵۷ ایضاً، ص ۱۴۹
۵۸ سپیچز اینڈ سٹیٹمنٹس، ص ۲۲۳۔

کہ انھوں نے مسلم لیگ کو ایک عوامی تحریک شروع کرنے کا مشورہ دیا اور خود بھی گرفتار ہونے کی پیشکش فرمائی۔

بہرحال اس کا مطلب یہ نہیں کہ فلسطین میں علامہ کی دلچسپی کا آغاز ۱۹۳۷ء میں ہوا۔ کیونکہ اس دلچسپی کی داستان تو بہت پرانی ہے۔ جب ۱۹۲۹ء میں یروشلم، حبرون اور سفید کے فلسطینی شہروں میں دیوارِ گریہ کے مسئلے پر سخت فسادات ہوئے تو علامہ نے لاہور کے ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے اس کا پس منظر بھی بیان کیا اور احتجاج بھی کیا۔ اس تقریر سے چند اقتباس پیشِ خدمت ہیں:

"فلسطین میں مسلمان اور ان کے بیوی بچے شہید کیے جا رہے ہیں۔ اس ہولناک سفاکی کا مرکز یروشلم ہے۔ جہاں مسجدِ اقصیٰ واقع ہے۔ اس مسجد کا تعلق حضرتِ خواجہ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے معراجِ مبارک سے ہے اور معراج ایک دینی حقیقت ہے جس کا تعلق مسلمانوں کے گہرے جذبات کے ساتھ ہے۔ صدیاں گزر گئیں کہ ایک معبد تعمیر ہوا تھا جسے ہیکلِ سلیمانی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ معبد مسلمانوں کے یروشلم فتح کرنے سے بہت پہلے برباد ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا ذکر حضرت عمر فاروق رضؓ سے فرمایا تو انھیں ہیکل یا مسجدِ اقصیٰ کے صحیح موقع و محل سے بھی مطلع کر دیا۔ فتح یروشلم کے بعد حضرت عمرؓ بہ نفسِ نفیس یروشلم تشریف لے گئے تو انھوں نے مسمار شدہ ہیکل کا محل وقوع دریافت فرمایا اور وہ جگہ ڈھونڈ لی۔ اس وقت اس جگہ گھوڑوں کی لید جمع تھی جسے انھوں نے اپنے ہاتھ سے صاف کیا۔ مسلمانوں نے جب اپنے خلیفہ کو ایسا کرتے دیکھا تو انھوں نے بھی جگہ صاف کرنی شروع کر دی اور یہ میدان پاک ہو گیا۔ عین اسی جگہ مسلمانوں نے ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کی جس کا نام مسجدِ اقصیٰ ہے۔ یہود و نصاریٰ کی تاریخ میں تو یہ کہیں مذکور نہیں کہ موجودہ مسجدِ اقصیٰ اسی جگہ پر واقع ہے۔ جہاں ہیکلِ سلیمانی واقع تھا۔ اس تشخیص کا سہرا مسلمانوں کے سر ہے۔ یہود و نصاریٰ نے اس کی زیارت کے لیے اس وقت آنا شروع کیا جب یہ مشخص ہو چکی تھی۔"[۵۹]

اس کے بعد علامہ نے بتایا کہ مسلمانوں نے ہمیشہ یہودیوں کے ساتھ فراخ دلانہ برتاؤ کیا۔ انھیں

---

۵۹ انقلاب۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۲۹ء

اعلیٰ مناصب پر فائز کیا۔ ترکوں کے زمانے میں زیادہ رواداری سے کام لیا گیا اور یہودیوں کو اجازت دی گئی کہ وہ دیوارِ براق کے ساتھ کھڑے ہو کر ہیکل سلیمانی کی بربادی پر گریہ و بکا کر لیا کریں۔ اس رعایت سے یہودیوں نے اس دیوار کو دیوارِ گریہ کا نام دے دیا۔ لیکن اس سے وہ اس دیوار کے مالک نہیں بنے۔ کیونکہ شریعتِ اسلامیہ کی رُو سے مسجدِ اقصیٰ کا سارا احاطہ وقف ہے۔ اس کے بعد علامہ اقبال نے پہلی عالمی جنگ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اعلانِ بالفور میں یہودیوں کا اتنا ہاتھ نہیں تھا جتنا انگریزوں کا تھا۔ علامہ نے فرمایا:

"یہودی کی فطرت سے دنیا آگاہ ہے۔ وہ گانٹھ کا پکا بنیا ہے۔ صرف اس جگہ سکونت اختیار کرے گا۔ جہاں اُسے سود در سود دینے والے آسانی کے ساتھ چمڑا اتروانے والے بہ کثرت مل سکیں۔ اس مفاد کے پیشِ نظر فلسطین میں آباد ہونا مفید نہیں تھا۔ مگر چونکہ برطانوی مدبروں کا اصل مقصد کچھ اور تھا۔ اس لیے انھوں نے اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے لیے یہودی کو آلۂ کار بنایا۔ صیہونی تحریک کو فروغ دیا اور اپنی غرض کی تکمیل کے لیے جو ذرائع استعمال کیے ان میں سے ایک کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔ یہودی گریہ و بکا کے بجائے مسجدِ اقصیٰ کے ایک حصّے کے مالکانہ تصرف کا دعویٰ کر رہے ہیں۔"[10]

۱۹۳۱ء میں حضرتِ علامہ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے تو واپسی پر فلسطین پہنچے۔ یروشلم میں منعقدہ موتمرِ عالمِ اسلامی میں شرکت کی۔ عربوں کے موقف کی حمایت فرمائی۔ مفتیِ اعظم امین الحسینی اور دوسرے فلسطینی رہنماؤں کے ساتھ رابطہ پیدا کیا۔ اور مفتیِ اعظم لاہور آئے تو اُن کی پذیرائی کی اور جب موقع پیدا ہوا، فلسطینی عربوں کی حمایت کے لیے میدان میں آ گئے۔

---

[10] انقلاب، ۱۰ ستمبر ۱۹۲۹ء